یکم جولائی ۱۹۷۲ء

ہفتہ وار

ہماری زبان

رجسٹرڈ نمبر ایل ۹۲۲
فون نمبر ۲۹

ایڈیٹر
آل احمد سرور

اشاعت کی تاریخیں
۱، ۸، ۱۵، ۲۲

قیمت سالانہ ۶ روپے
قیمت فی کاپی ۲۰ پیسے

جلد ۳۲ | انجمن ترقی اردو ہند (علی گڑھ) | شمارہ ۱۵

اداریہ

"لطف اور لطف بھی ستم آمیز"

محکمۂ اطلاعات اترپردیش نے اردو کی تعلیم و ترقی کے لئے اقدامات کے عنوان سے جو کتابچہ شائع کیا ہے اس پر ہم گزشتہ ہفتے میں مجموعی تبصرہ کر چکے ہیں۔ اس اعلان میں کہا گیا ہے کہ "ریاست کے شہری علاقوں کے ہر پرائمری اسکول میں آئندہ تعلیمی سال سے اردو پڑھانے کی تمام سہولتیں مہیا ہوں گی۔ اس مقصد کے لئے تقریباً چار ہزار اردو ٹیچر مقرر کئے جائیں گے۔" (خط کشیدہ الفاظ ہمارے ہیں)

ہمیں معلوم ہوا ہے کہ پندرہ جون تک مختلف شہروں میں اردو کے استاد مقرر کرنے کے لئے درخواستیں طلب کی گئی تھیں اور جون کے آخر تک توقع ہے کہ تقرر کے احکام جاری ہو جائیں گے۔ گویا جولائی سے یہ استاد اپنا کام شروع کر سکیں گے۔ یہ بہر حال ایک اچھا قدم ہے، مگر غور کیا جائے تو ہمارے مطالبے کو پورا نہیں کرتا۔ ہمارا مطالبہ یہ تھا کہ پرائمری تعلیم اردو کے ذریعہ سے دی جائے۔ یعنی پرائمری تعلیم کی منزل کے سارے مضامین اردو کے ذریعہ سے پڑھائے جائیں اس کے معنی یہ ہیں کہ مادری زبان یعنی اردو کے علاوہ حساب اور ابتدائی سائنس اور ابتدائی سماجی علوم بھی اردو کے ذریعہ سے پڑھائے جائیں، ہاں تیسرے درجے سے ہندی بھی پڑھائی جائے۔

اب جو استاد رکھے گئے ہیں اگر ان کو صرف اردو پڑھانا ہے اور باقی مضمون طلبہ ہندی کے ذریعہ سے پڑھتے ہیں تو اس سے ہمارا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ جہاں تک ہمارے علم میں ہے، جو استاد مقرر کئے جا رہے ہیں وہ اردو ہی پڑھا سکتے ہیں حکومت کے اعلان میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ "اگر کسی پرائمری اسکول میں فی الحال اردو پڑھنے والے طالب علم نہ ہوں گے تب بھی وہاں کم سے کم ایک اردو ٹیچر کا بندوبست لازمی طور سے کر دیا جائے گا، جس کا اعلان بھی کر دیا گیا ہے۔ جب تک اردو پڑھنے والے طالب علم نہیں ہوں گے اس وقت تک ان ٹیچروں سے دوسرے مضامین پڑھانے کا کام لیا جائے گا اور اگر ایک لڑکا بھی اردو پڑھنا چاہے گا تو اسے اردو پڑھنے کی سہولت ضرور دی جائے گی۔" گویا اردو پڑھانے والا استاد صرف اسی صورت میں دوسرے مضامین پڑھائے گا اور غالباً ہندی میں پڑھائے گا، جب اردو پڑھنے والا ایک بھی طالب علم نہ ہوگا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کچھ عرصے کے بعد یہ کہہ کر کہ اردو پڑھنے والے طلبہ نہیں ہیں، یہ سلسلہ ہی ختم کر دیا جائے ہمیں اس پر اعتراض ہے۔ ہمارے نزدیک ان استادوں سے سارے ابتدائی منزل کے مضمون اردو کے ذریعہ پڑھوائے جائیں، تب جا کر ہمارا مطالبہ پورا ہوگا۔ دستور کی دفعہ الف ۳۵۰ میں ہر ریاست کا یہ فرض قرار دیا گیا ہے کہ وہ لسانی اقلیت کو اس کی زبان

ب ابتدائی تعلیم دینے کی پوری کوشش کرے۔ صرف دو پڑھانے سے یہ مقصد کس حد تک پورا ہوگا۔ یہ دیکھنے کی بات ہے۔ اردو دوست اپنے طور پر کوشش رہے ہیں کہ لوگ اس نئی سہولت سے فائدہ اٹھائیں د ابتدائی اسکولوں میں اردو پڑھنے والے طالب علم خل کرائیں تاکہ وہ اردو پڑھ سکیں پچیس سال تک کہ اس معاملے میں حکومت نے غفلت برتی ہے د اردو پڑھانے یا اردو کے ذریعہ سے پڑھانے ا سہولتیں نہیں دی ہیں اس لئے لوگ عام طور پر ردل اور مایوس ہیں اور ان کو نئے سرے سے اس ے لئے آمادہ کرنا ہے کہ اپنے بچوں کو اردو پڑھائیں۔ ہیں امید ہے کہ اس سہولت سے قرار واقعی فائدہ ٹھایا جائے گا، مگر اصل ضرورت اسی وقت پوری ہوگی جب پوری ابتدائی تعلیم اردو کے ذریعہ سے دینے کے لئے انتظام ہو اور تیسرے درجے سے ہندی بھی پڑھائی جائے۔ کہا گیا ہے کہ "نارمل اسکولوں میں ردو جاننے والے امیدواروں کو بھی داخل کرنے ، تجویز ہے تاکہ پرائمری اسکولوں کے لئے اردو ٹیچروں ، جو کمی ہے اُسے جلد سے جلد دور کیا جاسکے" اگر اس تجویز پر قرار واقعی عمل ہو اور چند سال تک پچیس ں صدی امیدوار ایسے لئے جائیں جو اردو جانتے ہوں اور اپنی ٹریننگ مکمل کرنے کے بعد اردو کے ذریعہ سے تمام مضامین پڑھا سکیں تو سند یافتہ اردو ستادوں کی کمی پوری ہو جائے گی، فی الحال تو کچھ عرصے کے لئے تقرر کے لئے ٹریننگ کی شرط کو ہٹانا ہی پڑے گا۔

ہمیں امید ہے کہ اتر پردیش کی حکومت ابتدائی منزل پر صرف اردو پڑھانے کی بجائے ابتدائی تعلیم اردو کے ذریعہ سے دینے کے لئے جلد انتظامات کرے گی۔ اس کے بغیر نہ ہماری ضرورت پوری ہوگی اور نہ دستور کی دفعہ الف ۳۵۰ کا منشا پورا ہوگا۔

ایک اور اہم بات یہ ہے کہ سہ لسانی فارمولے میں فوراً ترمیم ہونی چاہئے۔ اس میں سب سے پہلا درجہ مادری زبان کو دینا چاہئے جس کا اب تک اتر پردیش کی حکومت کے اعلانوں میں کہیں ذکر نہیں آیا۔ جن لوگوں کی مادری زبان، ریاست کی سرکاری زبان یا ہندی ہے وہ ہندی لیں گے، جن کی مادری زبان اردو ہے وہ اردو لیں گے، جن کی بنگالی یا پنجابی ہے وہ بنگالی یا پنجابی لیں گے۔ اتر پردیش میں دراصل مادری زبان کی حیثیت سے بہت بڑی حد تک انہیں زبانوں کا سوال ہے۔ دوسرے نمبر پر ریاست کی سرکاری زبان ہونی چاہئے۔ جو لوگ مادری زبان کے ذیل میں ہندی لے چکے ہیں وہ ریاست کی سرکاری زبان کے بجائے کوئی جدید ہندوستانی زبان لے سکتے ہیں۔ اردو بنگالی اور پنجابی مادری زبان کے ذیل میں لینے والے، دوسری زبان لازمی طور پر ہندی لیں گے۔ تیسری زبان انگریزی ہوگی جو حکومت ہند کی شریک سرکاری زبان اور ایک عالمی زبان ہے۔ اگر اس صاف اور واضح اور تعلیمی نقطۂ نظر سے مکمل فارمولے پر عمل کیا جائے تو اتر پردیش کی لسانی اقلیتوں کو کوئی شکایت نہ رہے گی۔

اس کے علاوہ ضرورت ہے کہ ہائی اسکول اینڈ انٹرمیڈیٹ ایجوکیشن بورڈ کے قواعد میں فوراً ترمیم کی جائے تاکہ اردو میڈیم اسکولوں کے فروغ کے لئے گنجائش نکل سکے۔ ابتدائی اور ثانوی تعلیم کا انتظام (ہائی اسکول تک) اردو کے ذریعہ سے حسب ضرورت ہو جائے تو پھر ہمیں اتر پردیش کی حکومت کی تعلیمی پالیسی سے جو شکایات ہیں وہ بڑی حد تک دور ہو جائیں گی۔ امید ہے کہ اتر پردیش کی حکومت جلد ان تینوں معروضات پر غور کرکے مناسب احکام صادر کرے گی۔

فروغ الفاظ

اردو ادبی حلقے بالخصوص علم زبان سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ جناب ایم۔ اے حمید لکھنوی کی کتاب "فروغ الفاظ" زیور طباعت سے آراستہ ہوکر عنقریب منظر عام پر آرہی ہے، یہ کتاب بزم لوح و قلم (کلکتہ) کے زیر اہتمام شائع ہو رہی ہے۔ اس سلسلے میں پتہ ذیل پر رابطہ پیدا کیا جا سکتا ہے۔

بزم لوح و قلم، ۲۹/۷ فیرس لین
کلکتہ ۱۲

چند ادبی شخصیتیں

ایم اے قمر کے مضامین کا مجموعہ "چند ادبی شخصیتیں" عنقریب منظر عام پر آرہا ہے۔

پتہ:۔ بزم لوح و قلم ۲۹/۷ فیرس لین،
کلکتہ ۱۲

نیر اقبالی

یادگار اشفاق

پدم بھوشن جناب بنارسی داس چترویدی جی نے آجکل ایک بڑے اہم کام کا بیڑا اٹھایا ہوا ہے۔ وہ ہندوستان کی جنگ آزادی کے ان بھولے بسرے مجاہدوں کی کہانیاں دہرا رہے ہیں جو وطن کی خاطر سر سے کفن باندھ کر دشمن کے ساتھ دست بدست لڑائی میں کود پڑے تھے۔ ان کے بالمقابل انگریز اپنی عیش گاہوں میں پارلیمنٹ میں سرکاروں پہ ہر جگہ ان مجاہدوں کے خوف اور اضطراب سے دوچار ہو گئے تھے بہ حیثیت گاندھی جی کی عظیم تحریک کے دو برو بھی نہیں ہوئے تھے یہ دوسری بات ہے کہ اول تو ان مجاہدین نے ہندوستانی عوام کے مزاج کو پوری طور سے نہیں پرکھا تھا دوسرے ان کے عمل کی شکل ایک منظم ہندوستان گیر سیاسی تحریک کی نہیں تھی۔ اس لئے ان کی یہ تحریک ایک عظیم تحریک کی شکل نہیں اختیار کر سکی بلکہ چھوٹے چھوٹے مہم جاتی گروہوں میں صورت پذیر ہوئی اور نسبتاً آسانی سے کچل ڈالی گئی۔

مسلح انقلابی احتجاج کی اس تحریک نے جنگ آزادی میں جو رول ادا کیا ہے اور اس کے جو دور رس نتائج نکلے ہیں ان کو ہم کسی بھی صورت سے نظر انداز نہیں کر سکتے لیکن بدقسمتی سے ان تمام شہیدوں کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ نہیں کے برابر ہے۔ اول تو اس کی مقدار ہی بہت کم ہے دوسرے وہ پوری تحریک اس کی مختلف شاخوں اور اس کے مقاصد کا مکمل طور پر احاطہ نہیں کرتی ایک بات اور بھی ہے ابھی تک اس سلسلہ میں جو کچھ بھی لکھا گیا ہے وہ زیادہ تر ان لوگوں نے لکھا ہے جنھوں نے خود اس میں حصہ لیا تھا اس لئے اس کی حیثیت تاثراتی زیادہ ہے۔ تاریخی کم ہے۔ اب اس بات کی بے حد ضرورت ہے کہ اس پوری تحریک کی ہندوستان گیر پیمانہ پر کھوج کی جائے اور تمام واقعات اور حالات کا مورخانہ انداز میں جائزہ لیا جائے۔ ساتھ میں انفرادی طور پر الگ الگ شہیدوں کے بارے میں مکمل معلومات بہم پہنچائی جائیں۔

آزادی مل جانے کے بعد جنگ آزادی کی تحریک کے مطالعہ کی اب صرف تاریخی اہمیت رہ گئی ہو ایسی بات نہیں ہے۔ آج کے زندہ مسائل کا براہ راست تعلق اس زمانے سے ہے اور آج کی بہت سی مشکلوں کی جڑیں اس زمانے تک پہنچی ہوئی ہیں۔ مثلاً ہندو مسلم معاملہ یہ درست ہے کہ جنگ آزادی میں مسلمانوں کی غالب اکثریت کا رویہ پوری قومی تحریک کے بہاؤ کے مطابق نہیں تھا۔ لیکن رویہ کے اس انداز کے پیچھے جو عوامل کام کر رہے تھے ان کے ذمہ دار جہاں مسلمان اور ان کی غلط لیڈر شپ تھی وہاں بہت سلجھے ہوئے ہونے کے باوجود ہمارے قومی لیڈر بھی تھے۔

پاکستان بن جانے کے بعد آج ہندوستان میں مسلمان جن حالات سے گزر رہے ہیں ان کے اسباب کی بنیادیں وہیں ہیں۔ ان کو اپنی لیڈر شپ اور قومی لیڈروں دونوں کی غلطیوں اور کوتاہ اندیشیوں کا خمیازہ بھگتنا پڑ رہا ہے۔ اس صورت حال کو سمجھنے کے لئے اور کوئی موثر حل "تلاش" کرنے کے لئے ہمکو ماضی میں دیکھنا پڑے گا۔

محترمی جناب چترویدی جی کی زیر نظر تصنیف دو طرح اعتبارات سے اہمیت کی حامل ہے یہ کاکوری کیس کے واحد مسلمان شہید اشفاق اللہ خاں حسرت وارثی کی سوانح عمری ہے۔

یہ کتاب اشفاق اللہ خاں کے بارے میں بہت اچھی تصنیف ہے۔ اس میں وہ تمام معلومات جمع کر دی گئی ہیں جو ان کے سلسلے میں حاصل ہو سکی ہیں۔ اس میں ان کی اس خود نوشتہ سوانح کے اوراق بھی ہیں جو انھوں نے کال کوٹھری میں لکھنی شروع کی تھی اور جس کو مکمل کرنے کی حسرت لئے ہوئے وہ دنیا سے چلے گئے تھے۔ وہ خطوط بھی ہیں جو انھوں نے اپنے عزیزوں اور دوستوں کو لکھے تھے۔ ان کا کلام بھی ہے ان کے خطوط اور خود نوشتہ حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے عام مسلم نوجوان کس طرح سوچتے تھے اور قوم پرست ہندو کیسے سوچتے تھے اور کس عام مسلم نوجوان کو کسی قومی تحریک سے وابستہ ہونے میں کون کون سی رکاوٹیں درپیش ہوتی تھیں اور انگریز کس طرح مسلمانوں کو قومی تحریک کے خلاف استعمال کر رہے تھے۔ اشفاق اللہ خاں نے ان تمام معاملات کو ایک معمولی متوسط طبقہ کے معمولی پڑھے لکھے نوجوان کی نظر سے دیکھا اور سمجھا ہے۔ ان کے خطوط اور کلام سے حب الوطنی کی جو لے نکلتی ہے وہ روح کی ساری گہرائیوں کے ساتھ وطن کی پرستش سے مماثل ہے ایک گہری آنچ ہے اور ایک دھکتی ہوئی ٹیک ہے جو دل کو بھسم کر ڈالتی ہے اس کے علاوہ ان خطوط و کلام کے ذریعہ زندگی کے بارے میں ان کے تاثرات اور خیالات کا پتہ چلتا ہے یہ تاثرات اور خیالات فلسفیانہ اور علمی طور پر اس نہج کے نہیں ہیں کہ ان کو نظریات کا نام دیا جا سکے لیکن عملی طور پر ان خطوط میں جس عزم و استقلال کی نشاندہی ہوتی ہے۔ صبر و شکر کے ساتھ سب کچھ سہہ لینے کی جس صلاحیت اور طاقت کا اظہار ہوتا ہے وہ انتہائی عظیم ہے اور دلوں کو اپنی گرفت میں لے لینے کی بے پناہ قوت رکھتی ہے اس کو تاثر انگیزی کے سادے نام سے یاد نہیں کیا جا سکتا وہ سحر انگیزی ہے۔ ہم اشفاق اللہ میں ڈوب جانے میں فنا ہو جاتے ہیں اور خود اشفاق اللہ ظلمتوں کی طرح ہمارے اوپر چھائے ہوئے باقی رہ جاتے ہیں۔

یہ کتاب اس حیثیت میں پہلا قدم ہے اس لئے اس کو جتنا سراہا جائے کم ہے لیکن یہ مکمل نہیں کہی جا سکتی۔ نئی تحقیق کے لئے گنجائش باقی ہے۔ مثلاً اس تمام زمانے کے حالات جب وہ روپوش رہے تھے اس زمانے کے بارے میں ہم کو بہت کم معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ ان لوگوں کے مقدمات کے دوران میں ملک کے اندر کیا حالات تھے اور جو ردعمل ہو رہا تھا اس پر بھی روشنی نہیں پڑتی۔

لیکن اس کتاب کا مقصد بنیادی طور پر یہ معلوم بھی نہیں ہوتا کہ اس وقت کے سیاسی حالات پر روشنی ڈالی جائے۔ جناب اشفاق اللہ خود کو وارثی لکھوں لکھتے ہیں کس کے تلمذ سے مستفید ہوئے تھے۔ یہ حالات ان کی خود نوشت سوانح سے بخوبی معلوم ہو جاتے اگر وہ مکمل ہو جاتی لیکن اب یہ ایک تحقیق طلب مسئلہ ہے جس کو باقاعدہ تحقیق کا موضوع بنا کر سمجھنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ اس پورے دور پر تحقیق کرنے کا کام ہماری یونیورسٹیوں کے تاریخ کے شعبوں کو انجام دینا چاہیے کیونکہ اس کام پر جو وقت اور پیسہ صرف ہوگا اس کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ توقع فضول ہوگی کہ لوگ انفرادی طور پر اس عظیم مقصد سے کما حقہ عہدہ برا ہو سکیں گے۔

اس کتاب کو پڑھ کر ایک بات کا اور احساس ہوتا ہے کہ ہماری آزادی وہ نہیں ہے جو ہونا چاہیے تھی یا ہماری لیڈر شپ نے وہ کام انجام نہیں دیا جو دینا چاہیے تھا مثلاً آج ملک میں وطن پر شہید ہو جانے والوں کے عزیز و اقارب۔ جو ان شہیدوں کی وجہ سے معتوب ہوئے تھے یا برباد ہو گئے تھے۔ آج بھی برباد ہیں اور غداران وطن یا ان کی اولادیں آج بھی بڑے بڑے عہدوں پر ہیں۔ یونیورسٹیوں کے چانسلر ہیں کمشنریوں کے کمشنر ہیں اور ملک کے دوسرے اہم عہدوں پر ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حالات کا جبر ہے جو برداشت کرنا پڑ رہا ہے۔

محترمی جناب چترویدی جی قابل مبارکباد ہیں کہ انھوں نے اس عظیم مقصد کے لیے اپنی صلاحیتوں کو وقف کر دیا ہے۔

کتاب کو اردو شکل دینے کے ذمہ دار نسیم فیروز آبادی ہیں۔ آپ باصلاحیت ادیب سمجھے جاتے ہیں اردو کے ادیب و شاعر ہیں لیکن زیر نظر تصنیف میں ان کی زبان کچھ ناہموار نظر آتی ہے۔ ویسے یہ نقص اس طرح کی تصنیف کے لئے کچھ خاص قابل لحاظ بھی نہیں ہے۔

ان تمام لوگوں کا ذخیرہ کتب جو اس طرح کے موضوعات سے دلچسپی رکھتے ہیں اس کتاب کے بغیر نامکمل رہے گا۔

(صفحہ ۵ سے آگے)

بھی طے ہو گیا۔ سابقہ کتابت شدہ کاپیوں کی اجرت ادا کر دی گئی۔ امید یہ ہے کہ اب کلیات مائل جلدی ہی زیور طبع سے آراستہ ہو جائے گی۔ ساہتیہ اکیڈمی نے ایک اردو بورڈ بھی الگ بنا دیا ہے جس کے چیئرمین جناب لیاقت اللہ خاں صاحب ہیں (موصوف نذیر احمد ضیغمی کے ماموں زاد بھائی ہیں اور اردو کے بڑے ہمدرد ہیں)

اردو کے مسائل کو حل کرنے کے لئے حکومت راجستھان نے ایک کمیٹی بھی بنا رکھی ہے۔ اصولاً ہر چھ ماہ کے بعد اس کی میٹنگ ہونی چاہیے لیکن چھ سال کے بعد ۸ راگست ۱۹۷۱ء کو ایک میٹنگ ہوئی تھی اس کے بعد انجمن کی مسلسل یاد دہانیوں کے بعد گزشتہ میٹنگ ۲۲ ستمبر ۱۹۷۲ء کو سکریٹریٹ کے کانفرنس ہال میں ہوئی۔ انجمن کی نمائندگی راقم الحروف نے کی۔ اس میں انجمن کی طرف سے پندرہ مطالبات پیش کیے گئے جن کا تعلق تعلیمی اور انتظامی امور سے تھا۔ حکومت کی طرف سے چیف سکریٹری نے تمام مطالبات کو جائز تسلیم کرتے ہوئے اپنے تعاون کا یقین دلایا۔ اس میٹنگ میں سب سے اہم کامیابی یہ ہوئی کہ ابتدائی درجات کی کتابیں حکومت خود چھپوانے کے لئے تیار ہو گئی۔ ورنہ حکومت یہ فیصلہ کر چکی تھی کہ اردو کی کتابیں کوئی بھی پرائیویٹ پبلشر چھپوائے اس سلسلے میں اخبارات میں اشتہارات بھی شائع ہو چکے تھے۔ راقم الحروف نے اعداد و شمار کے ذریعہ یہ ثابت کیا کہ نیشنلائزیشن بورڈ آف ٹیکسٹ بک کو ہندی میڈیم کی کتابوں پر صرف سے سات لاکھ روپے سالانہ کا منافع ہوتا ہے۔ اور اردو میڈیم کی کتابوں پر چالیس ہزار روپے کی رقم صرف کرنی ہوگی جو حکومت کو صرف کرنی چاہیے۔ بورڈ کے سکریٹری کی طرف سے نقصان کے اندیشے کا اظہار کیا گیا لیکن چیف سکریٹری نے انجمن کا مطالبہ منظور کر لیا۔ امید ہے کہ انشاء اللہ آئندہ تعلیمی سال سے اردو میڈیم کی نئی کتابیں مہیا ہو جائیں گی۔ اردو کی بہت سی کتابیں ایسی ہیں جو بازار میں مہیا نہیں ہو رہی تھیں۔ انجمن نے ان کے ناشرین سے خط و کتابت کی اور اپنے توسط سے طالب علموں کو کتابیں منگوا کر دیں۔

انجمن کو زیادہ فعال اور باعمل بنانے کے لئے امسال مجلس عام اور مجلس عاملہ کے نئے ممبر بنانے کی مہم بھی شروع کی گئی۔ جلدی ہی دستور کی دفعہ ۱۲ کے تحت جدید انتخابات ہوں گے۔

کلیم الدین تجلی عثمانی۔ جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو

راجستھان جے پور۔

انجمن ترقی اردو راجستھان کی سالانہ رپورٹ

۱۹۷۲ء انجمن کی شدید جدوجہد کا سال رہا۔ اس کے آغاز کے ساتھ ہی انجمن نے اپنی بھرپور توانائیوں کے ساتھ اپنے پروگرام کا آغاز کیا۔ راجستھان ان ریاستوں میں سے ہے جو ہندی ریاستیں کہلاتی ہیں۔ یہاں کا نصاب تعلیم ایسا ہے کہ جس میں اردو کی کوئی بھی حیثیت باقی نہیں رہتی۔ لہٰذا اردو کے حقوق کا تحفظ کرنے کے لئے انجمن نے سب سے ضروری یہی سمجھا کہ تعلیمی مسائل کو سب سے پہلے حل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس سلسلے میں دو تعلیمی کمیٹیاں قائم کی گئیں۔ پہلی کمیٹی نے ابتدائی سے ہائر سکنڈری درجات تک کے مسائل پر تبادلۂ خیال کر کے ان کے حل تجویز کئے اور دوسری کمیٹی نے کالجوں اور یونیورسٹیوں کے مسائل کے حل تجویز کئے۔ ان ہی تجاویز کی روشنی میں انجمن نے عملی قدم اٹھائے اور نیا تعلیمی سال شروع ہونے سے پہلے ہی اردو دوستوں کو مختلف ذرائع سے اس امر کے لئے تیار کیا کہ وہ تیسری زبان کی حیثیت سے اپنے بچوں کو اردو پڑھوائیں۔ انجمن کے علم میں یہ بات بھی آئی تھی کہ بعض اسکولوں کے داخلہ فارم میں تیسری زبان کا کوئی کالم ہی نہیں ہے۔ اسی طرح پرائمری اسکولوں کے داخلہ فارم میں بھی ایسا کوئی کالم نہیں ہے جس میں اردو میڈیم لکھا جا سکے۔ بعد میں ہیڈ ماسٹر یہی بہانہ بناتے ہیں کہ اردو میڈیم نہیں لکھا گیا ہے اس لئے ہندی میڈیم سے ہی تعلیم دی جائے گی۔ اس دشواری پر قابو پانے کے لئے انجمن نے جداگانہ ایک درخواست کا نمونہ طبع کروایا جس کو داخلہ فارم کے ساتھ منسلک کر دیا گیا اور اس کا خاطر خواہ نتیجہ یہ نکلا کہ ہیڈ ماسٹر صاحبان اردو پڑھانے کے لئے مجبور ہو گئے۔

تعلیمی مسائل کو حل کرنے کے لئے انجمن کے مختلف وفود نے وزیر اعلیٰ۔ وزیر تعلیم۔ ایجوکیشن کمشنر۔ چیف سکریٹری۔ وائس چانسلر یونیورسٹی آف راجستھان۔ ڈائرکٹر بھاشا وبھاگ اور انسپکٹر آف اسکولس جے پور سے ملاقاتیں کیں اور ان کے سامنے مسائل پیش کئے۔

یونیورسٹی آف راجستھان میں ایم۔ اے کلاسوں میں اردو پڑھانے کا انتظام کروانے کی بابت انجمن ۱۹۶۰ء سے کوشاں ہے۔ مرکزی انجمن بھی اس سلسلے میں حکومت راجستھان کو متوجہ کر چکی ہے۔ لیکن یونیورسٹی حکومت پر اور حکومت یونیورسٹی پر ٹال دیتی ہے امسال ۲۲ طلبہ ایسے تھے جو ایم۔ اے اردو میں داخلہ لینے کے خواہشمند تھے۔ اس سلسلے میں جناب نواب عبدالباقی خاں صاحب صدر انجمن کی قیادت میں ایک وفد نے وائس چانسلر سے ملاقات کی اور ایک میمورنڈم پیش کیا۔ وائس چانسلر نے رقم نہ ہونے کا عذر کیا اور حکومت راجستھان سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ وزیر تعلیم اور ایجوکیشن سکریٹری (جو کمشنر بھی ہیں) سے ملاقات کی لیکن حوصلہ افزا جواب نہ ملنے پر چیف سکریٹری سے ملاقات کی انھوں نے وزیر اعلیٰ سے ملاقات کا مشورہ دیا۔ پھر ایک دوسرے وفد نے جناب نواب عبدالباقی خاں صاحب کی قیادت میں وزیر اعلیٰ سے ملاقات کی۔ اس وفد میں بعض معززین شہر کے ساتھ جناب مختار علی صاحب علوی ایم۔ ایل۔ اے بھی شامل تھے۔ وزیر اعلیٰ کو صدر شعبۂ اردو یونیورسٹی آف راجستھان نے صرف چھ ہزار روپے سالانہ کے ابتدائی اخراجات کا میزانیہ پیش کیا اور وزیر اعلیٰ نے مذکورہ رقم دینے کا وعدہ بھی فرمایا لیکن وہ باوجود یاد دہانی کے اپنے وعدے کو وفا نہ کر سکے۔ انجمن نے سوائی مادھوپور، نصیرآباد اور ٹونک گرلس کالج میں اردو تعلیم کا مطالبہ بھی کیا جو حکومت کے زیر غور ہے۔

تعلیمی مسائل کے سلسلے میں ہی ڈائرکٹر بھاشا وبھاگ اور انسپکٹر آف اسکولس جے پور سے انجمن کے وفود نے ملاقات کی، ان کو مسائل سمجھائے اور ان حضرات نے ان کو حل کرنے میں پورا تعاون کیا۔ بورڈ آف سکنڈری ایجوکیشن راجستھان نے یہ رعایت دے رکھی ہے کہ جو طالب درجہ نہم و دہم میں اردو اختیاری مضمون کی حیثیت سے پڑھتے ہیں۔ ان کو تیسری زبان کا امتحان دینے کی ضرورت نہیں ہے لیکن علاحدہ سے اسکولوں میں یہ ہو رہا تھا کہ تیسری زبان کی حیثیت سے سنسکرت پڑھائی جاری تھی۔ انجمن نے محکمۂ تعلیم کے ذمہ داروں کو اس طرف متوجہ کیا لیکن جب کوئی نتیجہ نہیں نکلا تو راقم حروف [illegible] گیا اور سکریٹری بورڈ آف سکنڈری ایجوکیشن سے ملاقات کر کے ان کو اس زیادتی کی طرف متوجہ کیا جس پر انھوں نے فوراً ایک حکم جاری کیا جس کی رو سے سنسکرت کی لازمی تعلیم ختم کر دی گئی۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ تیسری زبان کے امتحان میں پاس ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اس سے ایسے بے شمار طالب علموں کو فائدہ ہوگا جو اختیاری مضمون کی حیثیت سے اردو پڑھ رہے ہیں۔ چنانچہ گورنمنٹ ہائر سکنڈری اسکول موتی کٹلا جے پور کے ایسے طالب علموں نے انجمن کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے نقد رقم پیش کی۔ انجمن کی [illegible] سالہ تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا جب اس کی خدمات کا اعتراف طالب علموں کی طرف سے اس طرح کیا گیا۔

انجمن ساہتیہ اکیڈمی راجستھان پر یہ زور دیتی رہی ہے کہ وہ اردو ادیبوں کی حوصلہ افزائی کرے اور اردو کتابوں کی اشاعت کا پروگرام بنائے۔ اس کو جامۂ عمل پہنایا جائے انجمن کی تحریک پر امسال جن چار اردو کتابوں پر نقد انعامات دئے گئے وہ یہ ہیں۔

۱۔ اوراق زندگی
۲۔ سیاہ بر سفید
۳۔ سرابوں کے سفیر
۴۔ فروغ انجم

کلیات ناطق مرتبہ حضرت شاکر مرحوم کی اشاعت [illegible]

(ڈاکٹر) قمر رئیس ۔ سکریٹری

انجمن اساتذہ اردو جامعات ہند کی پانچویں کانفرنس کی روداد

انجمن اساتذہ اردو کی کل ہند کانفرنس ۱۲، ۱۳ اور ۱۴ جون ۱۹۸۲ء کو مرہٹواڑہ یونیورسٹی اورنگ آباد میں منعقد ہوئی جس میں کم و بیش سو مندوبین نے شرکت کی۔ اردو اساتذہ کا یہ اجتماع اپنی تاریخ میں سب سے بڑا تھا اس میں اڑیسہ، بنگلور، بنارس، بہار، بمبئی، بھاگلپور، پٹنہ، پونا، جامعہ ملیہ اسلامیہ، جبلپور، دہلی، راجستھان، علی گڑھ، عثمانیہ، کشمیر، کانپور، گجرات، گوالیار، لکھنؤ، میسور، مرہٹواڑہ، مدراس، مگدھ، ناگپور اور وکرم یونیورسٹی کے اساتذہ شریک ہوئے۔

پہلا افتتاحی اجلاس ۱۲ رجون کی صبح کو دس بجے شروع ہوا۔ سب سے پہلے استقبالیہ کمیٹی کے صدر اور مرہٹواڑہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر جناب آر پی ناتھ نے مندوبین کو خطاب کیا۔ موصوف نے اردو زبان میں اپنا خطبہ پڑھا اور مہاراشٹر خاص طور پر اورنگ آباد سے اردو کے قدیم تعلق اور اس علاقہ میں اردو کی ترقی اور مقبولیت کا ذکر کیا۔ انھوں نے کہا "ہر زبان کو کسی نہ کسی ریاست کی سرکاری زبان کا شرف بخشا گیا۔ اردو جو سب کی ہے کسی کی نہیں۔ اردو اپنے وطن میں جلا وطن ہے سرپرستوں کی موجودگی میں یتیم ہے کیا اردو کے سرپرست اتنے بے بس ہیں کہ اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتے؟ یہ خوددار لوگوں کی زبان ہے اور خوددار زبان ہے جسے بھیک مانگنے پر مجبور کیا جا رہا ہے" آگے چل کر موصوف نے کہا "مجھے واقعی اردو سے محبت ہے اس لئے آج آپ سے صاف صاف بات کرنا چاہتا ہوں تاکہ ہم سب کوئی تجویز سوچیں جس سے اردو کا وقار پھر سے عظیم ہو سکے اردو کی تعلیم میں تبدیلیاں لانے کی ضرورت ہے اسے پڑھانے کے طریقوں کو جدید آسان اور دلچسپ بنانے کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر رفیق ذکریا وزیر شہری ترقی و اوقاف (مہاراشٹر) نے اپنے افتتاحی خطبہ میں اردو زبان و ادب کی ترقی میں دکھن خاص طور پر اورنگ آباد کی خدمات کا ذکر کیا اور کہا کہ "ہماری اس ریاست (مہاراشٹر) میں جو آبادی کے لحاظ سے اور رقبے کے لحاظ سے ہندوستان کی تیسری ریاست ہے اردو بولنے والوں کی تعداد کے اعتبار سے بھی ملک کی تیسری ریاست ہے اردو تعلیم کی تمام ممکن اور مناسب سہولتیں موجود ہیں۔ بلکہ پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہیں یہاں یہ زبان اور اس کی تعلیم اپنی جنم بھومی کی باد مخالف سے محفوظ ہے انھوں نے بتایا "دس سال پہلے مردم شماری میں مادری زبان اردو لکھوانے والوں کی تعداد اگر پچیس لاکھ تھی تو اب یہ پینتیس لاکھ ہے۔ بعض ضلعوں میں اٹھارہ فی صدی آبادی تک اردو جانتی ہے" اردو یونیورسٹی کی تجویز کا ذکر کرتے ہوئے موصوف نے کہا "جب تک اردو یونیورسٹی موجود نہ ہو اردو کالج نہیں پنپ سکتے بڑے پیمانے پر اردو ذریعہ تعلیم نہیں بن سکتی"۔ ڈاکٹر محمد حسن صدر انجمن نے اپنے خطبہ میں ہندوستان میں اردو کی اعلیٰ تعلیم کے مسائل پر اظہار خیال کیا۔ اور اس سلسلے میں اردو کے معلمین کی ذمہ داریوں کی طرف اشارہ کیا۔ انھوں نے کہا ہمارے لئے یہ اعتماد ضروری ہے کہ اردو کی تدریس و تعلیم کار فضول نہیں اس کے ساتھ ہی ضرورت اس کی ہے کہ ہم اپنی بنیادوں کو وسیع کریں۔ اردو رسم خط سکھانے کے طریقہ کو آسان بنائیں مختلف یونیورسٹیوں میں اردو سرٹیفکیٹ کورس کھولے جائیں اور پیشہ ورانہ کورسوں کی تعلیم کی طرف بھی توجہ دی جائے۔ صدر انجمن نے اردو کی جامع قواعد اور اردو زبان اور ادب کی مستند اور معیاری تاریخوں کی تدوین کے کام میں بھی اساتذہ کی ذمہ داریوں پر زور دیا۔ جنرل سکریٹری نے اپنی رپورٹ میں پچھلے پانچ ماہ میں انجمن کی کارکردگی کا جائزہ لیا اور ان دشواریوں کا ذکر کیا جو انجمن کی تنظیم کو زیادہ موثر اور بہتر بنانے کی راہ میں پیش آ رہی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ انجمن کا خبرنامہ اب پابندی سے شائع ہونے لگا ہے اور چونکہ انجمن اب باقاعدہ طور پر ایک کل ہند رجسٹرڈ تنظیم بن گئی ہے اس لئے ریلوے کنسیشن حاصل کرنے میں بھی نسبتاً آسانی ہوئی جنرل سکریٹری نے انجمن کے کاموں میں اساتذہ سے زیادہ تعاون کی درخواست کی۔ مجلس استقبالیہ کے سکریٹری ڈاکٹر نعیم الدین صاحب کے شکریہ کے بعد ایک بجے جلسہ ختم ہو گیا۔

دوسرا اجلاس" جس کا موضوع "تحقیق اور تنقید" تھا سہ پہر کو ڈھائی بجے شروع ہوا اس کی صدارت ایک پریزیڈیم نے کی جو پروفیسر محمد حسن، پروفیسر گوردیکر اور ڈاکٹر تنویر احمد علوی پر مشتمل تھا۔ کنوینر کے فرائض ڈاکٹر نسیم احمد نے انجام دئے۔ پہلا مقالہ عنوان چشتی نے "شاعری کی زبان" پر پڑھا جس میں اس پر زور دیا کہ شعری زبان بنیادی طور پر جمالیاتی اور جذباتی ہوتی ہے جو تخلیقی تجربہ کی خاصیت سے تغیر پذیر رہتی ہے ڈاکٹر محمد حامد (بہار) نے اپنے مقالہ میں نئے اردو افسانے کے امتیازی اور اساسی پہلوؤں سے بحث کی۔ انھوں نے کہا کہ نئے افسانہ پر داخلی آدمی کی حکمرانی ہے اسی کی تلاش کا عمل نئے افسانے میں روایات کی شکست و ریخت کی صورت میں ظاہر ہوا ہے پروفیسر ہاشم علی (میسور) نے اردو میں تحقیق کے مسائل کا ذکر کرتے ہوئے ایک بین الجامعاتی ریسرچ بورڈ کے قیام پر زور دیا انھوں نے کہا کہ بے شمار نجی کتب خانوں میں بیش بہا مخطوطات ملتے ہیں جنھیں حاصل کرکے محفوظ کرنے کی ضرورت ہے مظفر اقبال (بھاگلپور) نے اپنے مقالہ میں ادبی تحقیق کو ایک مستقل فن کا درجہ دیا۔ اور تفصیل کے ساتھ اس کے مقاصد اور صحیح طریق کار پر روشنی ڈالی۔ ڈاکٹر قمر اعظم ہاشمی نے اپنے مقالے میں فن فنکار اور قاری کے رشتہ کو بحث کا موضوع بنایا انھوں نے کہا کہ فن کی تخلیق کا راز یہ ہے کہ فن کار ہمیشہ اپنے نامکمل وجود کی تکمیل کا متلاشی اور اس کے لئے سرگرم عمل رہتا ہے اس لئے وہ تخلیق کے سارے

مرحلہ میں صرف اپنی ذات کا پابند ہوتا ہے اسے قاری تک پہنچنے کی ضرورت نہیں قاری کو فن کار تک پہنچنا چاہیے۔

سید ظاہر حسین خوشاد (مظفرپور) نے اپنے مقالہ میں اس اندیشہ کا اظہار کیا کہ اردو افسانہ زوال کی طرف بڑھ رہا ہے۔ انھوں نے کہا کہ نیا افسانہ داخلیت کی نامعلوم گھائیوں میں اتر رہا ہے اکثر افسانہ نگار ایک عجیب سی تنہائی شکست خوردگی اور ذات پرستی کا شکار ہیں انھوں نے اس پر زور دیا کہ جب فنکار اپنی ذات اور اپنے تخلیقی وجود کے لئے معاشرہ کا محتاج ہے تو وہ اس سے بے پرواہ اور بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ ڈاکٹر نعیم الدین نے نئی شاعری میں احساس زماں کے تصور سے بحث کی اور کہا کہ اس برق رفتار زندگی میں فن کار موجود لمحہ کو ہی سب کچھ سمجھنے لگے ہیں مقالہ نگار نے بہت سے نئے شعرا کے کلام سے مثالیں پیش کیں اور کہا کہ اکثر شعرا کے یہاں وقت اور اس کی اضافیت کا احساس غالب ہے وہ دن رات سورج اور دھوپ جیسے استعاروں میں سوچتے ہیں آل احمد انجم نے لکھنؤ کے مرثیوں کے معنوی رجحان سے بحث کرتے ہوئے اس پر زور دیا کہ مرثیوں کی شاعری ہرگز انفعالی نہیں اس نے ولولۂ حیات جگایا اور جرأت وایثار کے اعلیٰ جذبات کی تربیت کی یوسف شریف نے اپنے مقالہ میں اردو ناول کی تنقید میں سنجیدہ اور غیر سنجیدہ ناولوں کے فرق کی کمی کی نشان دہی کی اور کہا کہ ہر سنجیدہ ادبی ناول ہمیں اخلاقی زندگی پر غور کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

مقالوں کے بعد بحث کا آغاز ہوا جس میں شہاب جعفری، ابوالحسنات، ابوالفیض عثمانی، حیدر عباس رضوی حنیف کیفی اور شمیم احمد نے حصہ لیا آخر میں ڈاکٹر نذیر احمد علوی، پروفیسر گوڈیکر اور ڈاکٹر محمد حسن نے بعض مسائل پر اپنے خیالات کا اظہار کیا پروفیسر گوڈیکر نے کہا کہ مہاراشٹر میں اردو زبان کے تحفظ اور اس کی تعلیم کا معقول انتظام ہے تقریباً تین سو اسکولوں میں اردو ذریعہ تعلیم ہے اور چھ یونیورسٹیوں میں اردو کی تعلیم کا انتظام ہے تاہم مہاراشٹر کے لوگوں کو شکایت ہے کہ شمال کے اردو دوستوں نے انھیں نظر انداز کر رکھا ہے ڈاکٹر محمد حسن نے کہا کہ ہمارے رفقا کو صرف مصنف نہیں معلم کی حیثیت سے بھی لکھنا چاہیے انھوں نے اردو مخطوطات کے عکسی فلم تیار کرنے کے لئے مائکرو فلم یونٹ کے قیام کا ذکر کیا جو یو جی سی کی امداد سے کشمیر یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کی نگرانی میں عنقریب کام شروع کرے گا۔

تیسرا اجلاس ۱۳ر جولائی کی صبح کو ساڑھے ۹ بجے شروع ہوا اس کا موضوع تھا " اردو کی تدریس اور نصاب کے مسائل " اس اجلاس کا پریزیڈیم پروفیسر اختر قادری، جناب نسیم قریشی، اور پروفیسر حسرت سہروردی پر مشتمل تھا جناب عصمت جاوید نے کنوینر کے فرائض انجام دیے شاہ حسین نہری نے اپنے مقالے میں اردو کی تدریس کے لئے سمر اسکولوں کی ضرورت اور اہمیت پر زور دیا۔ دلائل کے ساتھ انھوں نے بتایا کہ کالجوں کے اساتذہ کے لئے بھی تعلیم اور زبان وادب کی تعلیم کے جدید اصولوں اور نظریوں سے واقفیت ضروری ہے محمد وسیم الدین (جاورہ) نے "تاریخ ادب اور اس کی تدریس کے مسائل سے بحث کی، انھوں نے اردو زبان وادب کی متداول "تاریخوں کی کمزوریوں اور کوتاہیوں کی طرف اشارہ کیا انھوں نے "تاریخ ادب کے اساتذہ کے لئے اردو ادب کی "تاریخ کو پانچ ادوار میں تقسیم کیا اور یہ بتایا کہ ادوار کی یہ تقسیم ہندی، انگریزی یا فارسی کی "تاریخ سے کیونکر مختلف ہوگی۔ ڈاکٹر شمیم احمد شمیم (اورنگ آباد) نے اردو زبان وادب کی تعلیم اور نصاب میں جدید ادب کی شمولیت پر اصرار کیا اور کہا کہ آج بھی حالی، اقبال اور ان کے معاصرین کو جدید ادب کے نمائندوں کی حیثیت سے پڑھایا جا رہا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ طلبہ جدید ادب (عصری ادب) کے رجحانات محرکات امیجری اور اس کے حقیقی نمائندوں کے کارناموں سے بالکل ناواقف ہوتے ہیں۔

مسز نور العین علیم (بمبئی) نے اردو میں پرافیشنسی اور ڈپلوما کورس کے نصاب اور طریق تعلیم کے مختلف پہلوؤں سے بحث کی اور بتایا کہ ان کورسوں کے حقیقی مقاصد کا تعین کرنے کے بعد ہی نصاب مرتب کیا جانا چاہیے اور تعلیم وتدریس کو مؤثر اور دلچسپ بنانے کے لئے جدید بصری اور سمعی آلات سے کام لیا جانا چاہیے۔

حنیف کیفی (جامعہ ملیہ اسلامیہ) نے اپنے مقالے میں یونیورسٹیوں میں اردو کی تدریس اور نصاب کے بعض بنیادی مسائل پر اظہار خیال کیا انھوں نے کہا کہ بیشتر یونیورسٹیوں کے نصاب اساتذہ یا ذمہ داروں کی سہل پسندی اور روایتی انداز فکر کا نمونہ ہیں۔ ان کی ترتیب میں وقت کے تقاضوں اور طلبہ کی ذہنی اور نفسیاتی ضرورتوں کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ مقالے میں درسی کتب کی فراہمی اور طباعت واشاعت کی دشواریوں کا بھی ذکر کیا گیا۔ ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی (دہلی) نے عصر حاضر میں نظام تعلیم کے بعض اہم نقائص کا ذکر کیا اور کہا کہ ہمارا نظام تعلیم جامد ہی نہیں بے فیض اور بے جان بھی ہے انھوں نے اردو اساتذہ سے اپیل کی کہ وہ تعلیم کے بلند آدرشوں کو سامنے رکھ کر طلبہ کی مادی ہی نہیں روحانی ضرورتوں کی تکمیل پر بھی نظر رکھیں۔

امجد جلیس (عثمانیہ) نے اردو نصاب کو عصری تقاضوں کے مطابق بنانے پر زور دیا انھوں نے کہا اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ اس دور میں حصول روزگار ہی تعلیم کا اصل مقصد ہے ہمیں اپنے نصاب میں ایسی تبدیلیاں لانی ہوں گی جن سے طلبہ کے لئے روزگار کے دروازے کھل سکیں اس سلسلہ میں مقالہ نگار نے بعض مفید عملی تجاویز پیش کیں۔

(باقی آئندہ)

انجمن کی خبریں

انجمن ترقی اردو کی شاخ نوگڑھ کا جلسہ

نوگڑھ:- نوگڑھ میں ابھی تک انجمن کی شاخ باضابطہ قائم نہیں تھی۔ جس کی ضرورت عرصے سے محسوس کی جا رہی تھی۔ اس لئے انجمن کے قیام کے لئے ایک جلسہ عام زیر صدارت جناب قاضی محمد عدیل عباسی صاحب منعقد کیا گیا۔ اس میں حسب ذیل عہدیداران کا انتخاب ہوا۔

صدر:- جناب سید انوار احمد

نائب صدر:- جناب محمد قیصر ایڈوکیٹ

" :- ڈاکٹر ابو محمد صدیقی

جنرل سکریٹری:- اظہر اقبال ایڈیٹر۔ جوائنٹ سکریٹری:- جناب [illegible] پرشاد سریواستوا ایڈوکیٹ۔ خزانچی:- جناب حمید اللہ خاں

ان کے علاوہ مجلس عاملہ کے ممبران کا انتخاب عمل میں آیا۔ جلسہ میں مندرجہ ذیل تجاویز اتفاق رائے سے منظور ہوئیں۔

۱۔ اس امر کی کوشش کی جائے کہ ابتدائی اور ثانوی سطح پر اردو کی تعلیم میں کوئی رکاوٹ نہ پیدا ہو۔ شکایات جو موصول ہوں ان کی اطلاع انجمن ترقی اردو بستی اور اردو اکیڈیمی کو مسلسل روانہ کی جائیں۔

۲۔ اردو لائبریری جس میں قریب ۲۵۰ اردو کی کتابیں ہیں اور اردو اخبارات و رسائل بھی آتے ہیں انجمن ترقی اردو نوگڑھ کے اہتمام میں دیدی گئی اس کے اہتمام کے لئے ایک کمیٹی علاوہ صدر و سکریٹری کے مزید ۵ ممبران پر مشتمل تشکیل کی گئی۔

• اظہر اقبال جنرل سکریٹری

سنبھل میں انجمن ترقی اردو کی تشکیل

سنبھل۔ شہر کے محبان اردو کا ایک جلسہ زیر صدارت جناب سعادت علی صدیقی منعقد ہوا۔ صدر جلسہ نے اردو کی تعلیم اور ترویج کے مسائل پر اظہار خیال کیا اور محبان اردو کو سرگرم عمل ہونے کا مشورہ دیا۔ جلسہ نے متفقہ طور پر طے کیا کہ سنبھل میں اردو کی ترقی و بقا کے لئے "انجمن ترقی اردو" کی تشکیل کی جائے۔ اس مقصد کے لئے ایک ایڈھاک کمیٹی بنائی گئی اور باتفاق رائے جناب تنزیل احمد کو کمیٹی کا کنوینر منتخب کیا گیا۔

جلسہ میں ادب دوست حضرات نے اردو تعلیم کے مختلف پہلوؤں پر غور و خوض کیا اور محبان اردو کو دعوت دی کہ وہ شہر میں اردو کی ترویج و اشاعت کے لئے ہر ممکن کوشش کریں۔

• تنزیل احمد کنوینر اردو سنبھل

ضلع رہتاس (بہار) میں انجمن ترقی اردو کی ایڈہاک کمیٹی کی تشکیل

سہسرام:- بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کے با اختیار نمائندہ پروفیسر عبد المغنی صاحب کی آمد پر ان کی کوششوں سے ضلع رہتاس میں انجمن کی ممبر سازی اور مقامی و ضلعی شاخوں کے قیام کا بندوبست کرنے کے لئے نو ممبران پر مشتمل ایک ایڈہاک کمیٹی کا قیام عمل میں آیا۔ یہ حضرات پورے ضلع کے اردو دوستوں سے رابطہ قائم کریں گے اور حسب ضرورت مختلف مقامات کا دورہ کر کے انجمن کی ممبر سازی وغیرہ کا بندوبست کریں گے۔

• معین عالم کنوینر

اردو کی ترقی کے لیے وزیر اعظم کی کوششوں کا شکریہ

انجمن ترقی اردو سورت کے ایک جلسہ میں وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کی کوششوں کو سراہا گیا ہے کہ ان کی کوششوں سے یوپی میں اردو کو کچھ مراعات دی گئی ہیں۔

انجمن نے وزیر اعظم کا شکریہ ادا کرتے ہوئے امید ظاہر کی ہے موصوفہ اسی طرح دوسری ریاستوں بالخصوص ریاست گجرات میں بھی اردو کو زیادہ سے زیادہ مراعات دلانے کے لئے ہدایات جاری کریں گی۔

• صدر انجمن سورت

کل برطانیہ انجمن ترقی اردو (لندن) کا سالانہ اجلاس

کل برطانیہ انجمن ترقی اردو کا سالانہ اجلاس زیر صدارت جناب ڈاکٹر خالد حسن قادری ۱۰ رجون ۱۹۷۳ء کو اسلامی ثقافت مرکز لندن میں منعقد ہوا۔ اجلاس میں سید معین الدین شاہ معتمد عمومی نے انجمن کی روئداد پیش کی جو باتفاق رائے منظور کی گئی۔ روئداد کے بعد انجمن کے خازن ڈیوڈ میتھیوز نے حسابات کا گوشوارہ پیش کیا جو منظور کیا گیا اور اس کے بعد انجمن کے دستور میں کچھ ترمیمات منظور کی گئیں۔

سال آئندہ کے لئے مندرجہ ذیل عہدہ داران کا انتخاب متفقہ طور پر عمل میں آیا۔

صدر عالی جناب راجہ صاحب محمود آباد، نائب صدر رالف رسل، ڈاکٹر خورشید الاسلام، ڈاکٹر خالد حسن قادری، معتمد عمومی سید معین الدین شاہ، معتمد سماجی امور بیگم صبیحہ احمد حسین، خازن ڈیوڈ میتھیوز۔

ارکان مجلس عاملہ ڈاکٹر سید زوار حسین زیدی، ڈاکٹر سید فاخر حسین، بیگم حمیدہ بابر عباس، اودیا ساگر آنند، اسید وارث حسن، ولیم ٹرول، نائب معتمد عمومی سید عقیل احمد دانش محمد اکرم خاں۔

• س۔ م۔ شاہ معتمد عمومی

اخباروں سے تراشے

حکومت پنجاب کی طرف سے اردو کی ترقی کے لیے ۵ لاکھ روپے

چنڈی گڑھ :- اردو کی ترقی اور فروغ کے لیے پنجاب میں ۵ لاکھ روپے کی رقم خرچ کی جائے گی۔ ریاستی وزیر مالیات مسٹر مس راج شرمانے اردو فروغ کمیٹی کو کل یہاں یہ بات بتائی۔ کمیٹی نے اس بات کی بھی سفارش کی ہے کہ پنجاب یونیورسٹی کے لنگویج ڈیپارٹمنٹ میں اردو کے لیے ایک الگ جگہ نکالی جائے اس کے علاوہ ریاست میں اردو اسکولوں کے قیام میں انتظامات کے لیے ایک ممبری کمیٹی کی تشکیل کر دی گئی ہے۔

• دعوت دہلی

حکومت یوپی کی طرف سے دارالمصنفین کو ایک لاکھ روپے کی امداد

لکھنؤ :- حکومت یوپی نے دارالمصنفین اعظم گڑھ اور ممتاز اردو شاعر جگر مرادآبادی مرحوم کی یادگار کے طور پر گونڈہ میں قائم جگر میموریل ہائر سکنڈری اسکول سمیت پانچ تعلیمی اور ثقافتی اداروں کو ایک ایک لاکھ روپیہ کی امداد کا اعلان کیا ہے۔ • دعوت۔ دہلی

اردو کی ترقی کے لیے مرکزی حکومت کی طرف سے بیورو کا قیام

نئی دہلی :- مرکزی وزارت تعلیم و سماجی بہبود نے اردو کی ترویج و ترقی کے لیے ایک علیحدہ بیورو قائم کیا ہے۔ یہ نیا بیورو ترقی اردو بورڈ کے سکریٹریٹ کے طور پر کام کرے گا۔ اس بیورو سے علمی نوعیت کا ادب اور جدید ترین معلومات فراہم کرنے والی سائنسی کتابیں، بچوں کی کتب، حوالہ جاتی کتب یا انسائیکلو پیڈیا اور نصاب کی بنیادی کتابیں شائع کی جائیں گی۔

اس بیورو کا سربراہ ایک پرنسپل پبلیکیشن آفیسر ہے جس کو ضروری مالیاتی اور انتظامی نوعیت کے اختیارات دئے گئے ہیں

• الجمعیۃ۔ دہلی

میرٹھ کی عدالت میں اردو میں عرضی دعوے

میرٹھ :- اترپردیش کی حکومت نے ابھی حال میں اردو زبان کے لئے درخواستیں اور عرضی دعوی پیش کرنے کی جو سہولتیں تسلیم کی ہیں، ان کے مطابق یہاں منصف مجسٹریٹ جناب بابر حسین کی عدالت میں اردو عرضی دعوی پیش کرنے کا پہلا اقدام کیا گیا۔ اردو میں عرضی دعوی پیش کرنے والے ایڈوکیٹ سے عدالت نے اس کا ہندی ترجمہ پیش کرنے کو کہا تو انھوں نے جواب دیا کہ چونکہ حکومت نے اردو کو ایک عدالتی زبان کی حیثیت سے تسلیم کر لیا، اور اس میں درخواستیں اور عرضی دعوی وغیرہ پیش کرنے کا فیصلہ کر دیا ہے اس لئے ہندی ترجمہ پیش کرنے کا سوال ہی نہیں ہوتا۔ امید ہے کہ اب عدالتوں وغیرہ میں اردو جاننے والے پیشکار، اہلمد اور دوسرے کارکنان رکھے جائیں گے تاکہ سرکاری احکام پر بحسن و خوبی عمل ہو سکے۔

• سیاست جدید کانپور

اردو کا تاریخی ورثہ جذباتی ہم آہنگی کا باعث

گورنر میسور جناب موہن لال سکھاڑیا نے میسور اسٹیٹ اردو پریس کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے بیان کیا کہ اردو زبان نے اس کے اعلیٰ ورثہ کے باعث ملک میں جذباتی ہم آہنگی کے قیام میں بہت اہم حصہ ادا کیا ہے۔ اس کانفرنس کا اہتمام "مجلس ادب" کی جانب سے کیا گیا تھا۔ انھوں نے کہا کہ کسی زبان کو ایک مخصوص طبقہ سے وابستہ کرنا سراسر غلط ہوگی۔ انھوں نے اس بات پر اظہار افسوس کیا کہ اس کے باوجود کہ اقلیتوں کی زبانوں کے تعلق سے حکومت ہند کا رویہ ہمدردانہ ہے لیکن اس کی عمل آوری میں متعدد خامیاں پائی جاتی ہیں۔ ایسے بچوں کے لئے سہولتیں مہیا کی جانی چاہئیں جو اپنی مادری زبان کے ذریعہ تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہوں۔ ایسے تعلیمی اداروں کو جہاں اس بات کا انتظام ہو حکومت کی جانب سے مکمل امداد دی جانی چاہئے۔ جناب اے آر بدری نارائن وزیر تعلیم میسور نے کہا کہ میسور یونیورسٹی میں اردو کی ایک "چیئر" کے قیام کی تجویز زیر غور ہے۔ وزیر لیبر میسور جناب عزیز سیٹھ نے بھی اس بات پر زور دیا کہ ایسے طلبہ کو جو اپنی مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہوں انھیں پوری سہولتیں دی جانی چاہئیں۔ اس موقع پر گورنر میسور کو ایک یادداشت بھی پیش کی گئی جس میں اردو بولنے والوں کی آبادی کے لحاظ سے اردو ذریعہ تعلیم کے مدارس کے قیام کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

• سیاست۔ حیدرآباد

دوسرے اداروں کی خبریں

سید محمد زیدی سکریٹری پارلیمانی اردو کمیٹی کی اپیل

یہ خوشی کی بات ہے کہ اردو زبان کے سلسلے میں اب حالات تیزی کے ساتھ بدل رہے ہیں۔ مخالفین اردو کے رویّے میں تبدیلی نظر آرہی ہے اور ایک ایسی فضا قائم ہوتی جارہی ہے جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اردو زبان کے ساتھ اب مزید ناانصافی نہ ہوگی بلکہ جو کچھ ناانصافیاں ہو چکی ہیں ان کو دور کر کے اردو زبان کے لئے بھی دوسری ہندوستانی قومی زبانوں کی طرح پھیلنے اور ترقی کرنے کے سارے ذرائع مہیا کئے جائیں گے۔ حکومت ہند کو سفارشات پیش کرنے کی خاطر گجرال فروغ اردو کمیٹی ملک کے مختلف علاقوں کا دورہ کر رہی ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ اردو زبان کو پھر سے کس طرح آباد کیا جائے۔ ماہ مئی کے شروع میں پارلیمنٹ کے چند ممبران نے پارلیمانی اردو کمیٹی کے نام ایک فورم قائم کیا ہے تاکہ اردو کی حمایت میں آواز بلند کی جا سکے، اور اردو بولنے والوں کو ان کی روزمرہ کی زندگی میں زبان کی بنا پر جو مشکلات پیش آتی ہیں اور سرکاری کاروبار میں اردو زبان کو نظر انداز کرنے کے باعث جو شکایات پیدا ہوتی رہتی ہیں ان سے حکومت کو واقف کرائے اور ان شکایات کی طرف متوجہ کراتی رہے۔ اب تک صرف ۷۰ ممبر پارلیمنٹ کے ممبران میں سے بن چکے ہیں۔ جبکہ کل ممبران پارلیمنٹ کی تعداد ۵۲۵ لوک سبھا میں ہے اور ۲۵۰ کے قریب راجیہ سبھا میں ہے۔ اردو بولنے والوں سے درخواست ہے کہ اپنے اپنے حلقے کے ممبران پارلیمنٹ کو راضی کریں کہ وہ بھی پارلیمنٹری اردو کمیٹی کے ممبر بن جائیں تاکہ حکومت کو بتایا جا سکے کہ بہت بڑی تعداد ممبران پارلیمنٹ کی اس فورم کے ساتھ ہے! اور یہ فورم عوام کے نمائندوں کی نمائندہ جماعت ہے جس کے مطالبے کو اب مزید نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ آج کل پارلیمنٹ کے ممبران پارلیمنٹ کے بند رہنے کی وجہ سے اپنے اپنے حلقوں میں ہی دورہ کر رہے ہیں۔ ۲۰، ۲۲ر جولائی تک پارلیمنٹ بند رہے گی اور یہ بہترین موقع ہے کہ اردو بولنے والے ہر جگہ اپنے اپنے پارلیمنٹری حلقوں میں کئی کئی جلسے منعقد کریں۔ اپنے اپنے ممبر پارلیمنٹ کو مدعو کریں اور ان کے سامنے میمورنڈم کی شکل میں اس مطالبے کو رکھیں اور ان پر دباؤ ڈال کر ان کو راضی کریں کہ پارلیمنٹ کے کھلتے ہی اور دہلی پہنچتے ہی وہ فورم کے صدر پنڈت آنند نرائن صاحب ملّا سے ملیں اور ان کو اپنے مکمل تعاون کا یقین دلائیں۔ پارلیمنٹری اردو کمیٹی کے خزانچی نریندر سنگھ وششٹ صاحب کو اپنا سالانہ چندہ عنایت فرمائیں اور کمیٹی کے جنرل سکریٹری مولانا

اسحٰق سنبھلی، جناب عارف عثمان اور شری ست پال کپور صاحبان سے مل کر یوپی، بہار، دہلی، مدھیہ پردیش، راجستھان، ہریانہ اور آندھرا پردیش کی ریاستوں کے لئے ایک راہ عمل متعین کریں تاکہ ان ریاستوں میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہو سکے۔

مجھے اور میرے ساتھیوں کو یقین ہے کہ اردو زبان کو جو ملک کے تقریباً تین کروڑ افراد کی مادری زبان ہے جو بولنے والوں کی تعداد کے مطابق ہندوستان کی چھٹی بڑی زبان ہے جس میں شاندار ادبی سرمایہ موجود ہے، جس کے لکھنے والوں میں ہر قوم و مذہب، علاقے اور فکر کے لوگ شامل ہیں اور جو ہندو مسلم مشترکہ کلچر کی نفیس ترین پیداوار ہے، اب مزید تعصب کا شکار نہ رہے گی اور جن ریاستوں میں وہ پیدا ہوئی، پلی، بڑھی اور جوان ہوئی، دوسری سرکاری زبان کا درجہ حاصل کر سکے گی۔

شعیب صدیقی

حضرت سہیل عظیم آبادی کے اعزاز میں ادبی نشست

اردو کے ممتاز اور مشہور ترقی پسند افسانہ نگار حضرت سہیل عظیم آبادی، انجمن ترقی اردو (ہند) کے نمائندہ کی حیثیت سے کلکتہ تشریف لائے۔ انھوں نے یہاں زبان و ادب کی ترویج و اشاعت کا بطور خاص مطالعہ کیا، نیز زبان و ادب کے فروغ کے نئے امکانات اور موثر اقدامات پر تبادلہ خیال کیا۔ اس موقع پر ڈاکٹر ظفر اوگانوی صاحب (شعبۂ اردو کلکتہ یونیورسٹی) کی جانب سے حضرت سہیل عظیم آبادی کے اعزاز میں زیر صدارت حضرت ل۔ احمد اکبرآبادی ایک ادبی نشست ہوئی۔ افسانوی دور میں ممتاز افسانہ نگاروں نے حصہ لیا۔ اس کے بعد ایک شعری نشست ہوئی، نامور مقامی شعرا نے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ کیا۔ نشست کے اختتام پر حضرت سہیل عظیم آبادی نے انجمن ترقی اردو شاخ مغربی بنگال کے سلسلے میں ادبا و شعرا سے تبادلہ خیال کیا۔

ایم۔ اے۔ نصر

صفحہ ۱۲ سے آگے

بہرحال اس کی وجہ سے اس کا تناظر ہنگری تک محدود نہ رہا، بلکہ یورپی ہوگیا۔ آرچر کراسنگی نے لکھا ہے کہ لوکاچ نئے لکھنے والوں سے برابر کہتا رہتا تھا کہ کسی تخلیقی فن کار کا تجزیہ کرتے وقت دو باتیں ذہن میں رکھیں۔ اوّل یہ کہ "کیا وہ فنکار ایک ایسی اعلیٰ انسانی اور نامیاتی حقیقت کا اظہار کرتا ہے یا نہیں جو فنکار کی منظم شخصیت کی اندرونی گہرائیوں سے توانائی حاصل کرتی ہے، دوسرے یہ کہ فن پارہ ہمارے زندگی کے مجموعی تجربے میں کوئی معنی خیز اضافہ کرتا ہے یا نہیں" لوکاچ اپنے کو وابستہ کہتا تھا۔ وہ مارکسٹ کمیونسٹ اور انسان دوست تھا۔ اس نے حقیقت نگاری، ہمارے دور میں جدت پرستی MODERNISM اور سوشلسٹ حقیقت نگاری دونوں پر تنقیدی حقیقت نگاری (CRITICAL REALISM) کو ترجیح دی تھی۔ وہ ہر ادب پارے کا وسیع تر تاریخی اور سماجی پس منظر میں مقام ڈھونڈھتا تھا۔ اس کے نزدیک ادب سماج کی کلیت (TOTOLITY) کا شاہد ہے اور اس کے ارتقا کے سانچے اور تنقید کسی ادب پارے کی فنی قوتوں کا پورا تناظر پیش کرتے ہیں۔ وہ کہتا تھا کہ مواد ہی فارم متعین کرتا ہے۔ سوسن سن ٹیگ اس کے اس نظریے پر تنقید کرتے ہوئے کہتی ہے کہ اس کے برعکس بھی صحیح ہے یعنی فارم مواد کو متعین کرتا ہے۔ لوکاچ کے نزدیک کوئی ایسا مواد (اہم) نہیں ہے جس کا محور انسان نہ ہو۔ وہ ناول کی تنقید میں اس عالمی تناظر کو دیکھتا ہے جو مصنف کے اپنے تناظر کے علاوہ فن پارے کا داخلی تناظر ہے۔ اس طرح وہ مصنف کی نیت کو نہیں اس کے کارنامے کو سامنے رکھتا ہے۔ زولا اور ٹالسٹائی میں اس کے نزدیک یہی فرق ہے کہ زولا کے یہاں بہت سے مناظر پورے ناول کا لازمی حصہ نہیں ہیں جبکہ ٹالسٹائی کے یہاں ہر جز کل کے مقصد کو پورا کرتا ہے جو لوگ مارکسزم کو قابل قدر سمجھتے ہوئے اس کے اس دعوے کو نہیں مانتے کہ مارکسزم سب سے جامع اور ہمہ گیر فلسفۂ حیات ہے اور تاریخ اور سائنس اس کے شاہد ہیں۔ وہ بھی لوکاچ کی انسان دوستی، تہذیب اور جمالیات سے گہری دلچسپی سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ آرچر کراسنگی نے لکھا ہے کہ اس میں چار خاص باتیں تھیں، تجسس، ایک متلاشی ذہن، تہذیب میں ایک گہرا یقین اور ایک روشن انسانی مستقبل کا وسیع تصور۔ وہ آرٹ اور فن کی آزادی اور خود مختاری کا قائل نہ تھا مگر آرٹ اور فن کی جمالیاتی خصوصیات کو اس نے برابر اہمیت دی۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے جمالیات کے باقاعدے مطالعے کو مارکسزم کے باقاعدہ مطالعے کا ایک لازمی جز قرار دیا۔ اسے پلیخنوف (PLEKHANOV) اور مہرنگ (MEHRING) کے ادب کے متعلق ان خیالات سے جواب بھی بہت سے مارکسی نقادوں کا وظیفہ ہیں، اختلاف تھا۔ آرٹ اور سوسائٹی کے دیباچے (۱۹۷۰ء) میں اس نے لکھا ہے کہ ۱۹۰۵ء میں لینن نے جو مضمون جانبداری کے ادب پر لکھا تھا اسے اسٹالن کے دور میں غلطی سے ادب کے لئے ہدایت نامہ سمجھ لیا گیا تھا حالانکہ لینن کی بیوہ اور سافتی کریس کایا کا کہنا ہے کہ اس مضمون کا مقصد ادب پر رائے زنی نہیں تھا۔

بہرحال مارکسی اور غیر مارکسی دونوں حلقے لوکاچ کو بیسویں صدی کے ان ممتاز فلسفیوں اور ادبی نقادوں میں شمار کریں گے جن کی وجہ سے ادب کے جمالیاتی، تہذیبی اور سماجی پہلو کی اہمیت اور معنویت کو اور زیادہ محسوس کیا گیا۔ اور جن کی وجہ سے ادب کی بصیرت اور عام ہوئی۔ لوکاچ مرگیا مگر اس کے شاگرد اس کی روایت کی توسیع میں لگے ہوئے ہیں۔ ٹامس ریڈ ہی سپلی مینڈ نے بوڈاپسٹ اسکول کی اہمیت کو بھی تسلیم کیا ہے۔

پروفیسر آل احمد سرور

میرا صفحہ

(چھوٹی بساط، بڑی کائنات)

لوکاچ

(۲)

نیو ہنگیرین کوارٹرلی کے خاص شمارے میں لوکاچ پر استوان یوردش کی ایک نظم ہے جس کا عنوان ہے "تسلیں" مجھے یہ نظم بہت پسند آئی، اس کا آزاد ترجمہ (انگریزی سے) ہدیۂ ناظرین ہے۔

تم نے پیڑوں میں جنگل کو دیکھا تھا
اور اب بڑھاپے میں
بے خوفی کے ساتھ
تم جنگل میں پیڑوں کو بھی دیکھتے ہو
اور رتوں اور شہتیروں میں سے گزرتے ہوئے
تم اور طویل القامت ہوتے جاتے ہو
بڑھاپے پر کوئی کیا رشک کرے گا
مگر ہم پھر بھی تم پر رشک کرتے ہیں
کیونکہ ہم بھی بوڑھے ہوتے جاتے ہیں اگرچہ وقت کے ہمسفر نہیں بن سکتے
خیالات کے ڈھانچے پر گوشت پوست نہیں چڑھا سکتے
جبکہ تم۔ مرجھا زدہ ایک پیڑ کے سائے میں
پھلوں، درختوں، سب کو ان کے قدرتی رنگ میں
دیکھ سکتے ہو

لوکاچ ایک خوشحال یہودی گھرانے میں ۱۸۸۵ء میں پیدا ہوا۔ طالب علمی میں ہی اس کے جوہر نمایاں ہونے لگے۔ جرمنی میں میکس ویبر کا شاگرد تھا۔ ۱۹۰۷ء میں المیہ کی مابعد الطبیعیات پر پی ایچ ڈی کے لئے مقالہ پیش کیا۔ ابتدا میں وہ نوکانٹی (NEOKANTIST) تھا پھر ہیگل سے متاثر ہوا اور اسی کے راستے سے مارکس تک پہنچا۔ ۱۹۱۶ء میں اس کی ناول کی تھیوری پر ایک کتاب شائع ہوئی۔ ۱۹۱۸ء میں اس نے کمیونسٹ پارٹی میں شمولیت اختیار کر لی۔ ہیگل کے اثر سے وہ کبھی آزاد نہ ہو سکا۔ اس لئے کٹر مارکسی اس سے برابر خفا رہے۔ جب ۱۹۱۹ء میں ہنگری میں کچھ عرصے کے لئے ایک کمیونسٹ حکومت قائم ہوئی تو لوکاچ اس میں وزیر تعلیم بنایا گیا۔ مگر اس حکومت کے خاتمے کے بعد اسے دس سال کے لئے ویانا میں پناہ لینی پڑی۔ یہیں اس کی وہ مشہور کتاب لکھی گئی جو مارکسزم کے نظریاتی مطالعوں میں ایک بلند مقام رکھتی ہے یعنی طبقاتی شعور اور تاریخ (۱۹۲۳ء)۔ بعض مغربی مفکر اسے لوکاچ کی تصانیف میں سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ مگر اس کی وجہ سے پارٹی کی مرکزی کمیٹی سے اسے نکال دیا گیا مگر لوکاچ اپنے نظریات پر قائم رہا۔ ۱۹۳۰ء میں وہ ماسکو چلا گیا اور سال بھر کے بعد برلن پہنچا، مگر وہاں سے ہٹلر کے برسر اقتدار آنے پر ۱۹۳۳ء میں پھر ماسکو واپس گیا۔ اس زمانے میں اس نے اپنے افکار کی بہت سی تاویلیں کیں مگر سرکاری حلقے اس سے مطمئن نہ ہوئے۔ دوسری جنگ عظیم کے خاتمے پر وہ ہنگری واپس آیا اور بوڈاپسٹ یونیورسٹی میں درس دینے لگا۔ ۱۹۴۷ء میں اس کی کتاب گوئٹے اور اس کا عہد اور ۱۹۴۹ء میں ٹامس مان شائع ہوئیں۔ ۱۹۵۶ء میں امرے ناژ کی حکومت میں وہ پھر وزیر بنایا گیا مگر جب خروشچیف کے ٹینک بوڈاپسٹ میں داخل ہوئے تو لوکاچ کو رومانیہ میں نظر بند کر دیا گیا۔ چار مہینے کے بعد اسے واپس آنے کی اجازت ملی۔ یہ اس کی شہرت اور مقبولیت کی دلیل ہے کہ اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوئی اور اسے یونیورسٹی میں پڑھانے اور تصنیف و تالیف کی پوری آزادی رہی۔ ۱۹۴۸ء میں اس کی مشہور کتاب "یورپی حقیقت نگاری کے مطالعے" شائع ہوئی اور کچھ دن "نو حقیقت نگاری ہمارے دور میں"۔ ایک مدت سے وہ جمالیات پر ایک کتاب لکھنے میں مصروف تھا۔ بالآخر ۱۹۶۳ء میں یہ کتاب دو جلدوں میں منظر عام پر آئی۔ آرٹ اور سوسائٹی کے نام سے اس کے مضامین کا ایک مجموعہ ۱۹۶۷ء میں نکلا۔ اس کی آخری کتاب سماجی وجود کی (ONTOLOGY) ۱۹۷۰ء میں اس کی موت سے ایک سال پہلے تیار ہو چکی تھی مگر کہا جاتا ہے کہ وہ اس سے پوری طرح مطمئن نہ تھا۔ نیو ہنگیرین کوارٹرلی میں اس کا ایک باب محنت پر شامل ہے۔

ہنگری کے پروفیسروں، عالموں اور ادیبوں پر جرمن مفکروں اور ادیبوں کا بہت گہرا اثر رہا ہے۔ ہنگری کے بہت سے اسکالر اور عالم حال تک جرمن میں لکھتے رہے ہیں۔ اس لئے یہ سوال بھی اٹھا تھا کہ لوکاچ کو ہنگیرین تہذیب کا نمائندہ سمجھا جائے یا نہیں کیونکہ اس کی ساری تصانیف جرمن میں چھپیں۔ سوسن سن ٹیگ تو یہاں تک کہتی ہے کہ اس کا انیسویں صدی کے مشاہیر سے شغف اور اس کا جرمن میں لکھنا، اس کی ذہنی جلا وطنی ظاہر کرتا ہے

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پرنٹر و پبلشر سید تفضل حسین ایم۔ اے نے لیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ میں چھپا یا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا